سلسلہ مطبوعات (۳۹)

ولی اللّٰہی نظامِ فکر کی عصری اہمیت

مولانا بشیر احمد لدھیانوی

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

باسمہ تعالیٰ

حرف اول

عصر حاضر میں جبکہ دنیائے انسانیت ایک نظریاتی بحران سے دو چار ہے اور صنعتی دور کے پس منظر اور پیش منظر میں ابھرنے والے افکار' معاشرے کے حقیقی خدوخال واضح کرنے میں ناکامی کے دہانے پر کھڑے ہیں' برعظیم کی متفقہ معتبر علمی و فکری شخصیت امام شاہ ولی اللہ کے افکار' آج کے سوالات کا نہ صرف تسلی بخش جواب فراہم کرتے ہیں بلکہ فکر کے نئے آفاق تلاش کرنے کے لئے انسانی سوچ کو مہمیز بھی دیتے ہیں۔ سوء اتفاق سے ماضی میں شاہ صاحب کے افکار کو قرار واقعی مقام دینے سے پہلو تہی کی گئی مگر لائق تحسین ہیں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کہ جنہوں نے ان افکار کو اپنی آزادی پسند جماعت تک منتقل کیا' جس میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کا نام نامی روشن ستارہ کی حیثیت رکھتا ہے

چنانچہ حضرت سندھی نے یہ علوم و افکار بڑی جانفشانی سے نئی نسل کو گوش گزار کئے جس کے نتیجے میں پاکستان میں پروفیسر محمد سرور مرحوم' شیخ بشیر احمد لدھیانوی مرحوم' مولانا مقبول عالم مرحوم' اور حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے ان افکار پر ایک قابل قدر تحریری ذخیرہ بہم پہنچایا' جبکہ ان افکار پر خانقاہ عالیہ رائے پور کے صدر نشین' حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ نوجوانوں کی فکری و علمی تربیت ہمہ تن مصروف ہیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاءوہ وقت دور نہیں جب نوجوان نسل ان افکار کو حرز جاں بنا لے گی۔

زیر نظر تحریر شیخ بشیر احمد لدھیانوی کی ہے' بغور مطالعہ کے لائق ہے

چیرمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولی اللہی نظام فکر اور اس کی عصری اہمیت

امام ولی اللہ دہلوی بر عظیم ہند کے آخری بڑے مغل شہنشاہ ' اورنگ زیب عالمگیر کے دور حکومت میں ۱۷۰۴ء میں بھلت ' ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے انہوں نے اپنے والد محترم الشیخ عبدالرحیم العمری سے تعلیم و تربیت پائی اور اپنے والد کی وفات کے بعد دہلی میں ان کے مدرسہ رحیمیہ میں کرسی تدریس پر جلوہ افروز ہوئے اس کے بعد انہیں محسوس ہوا کہ وہ جس کار عظیم کو لے کر اٹھے ہیں اس کے لئے علوم حدیثیہ میں مہارت تامہ کی ضرورت ہے چنانچہ وہ ان علوم کی تکمیل کے لئے اور ضمنی طور پر عالم اسلام کے مطالعے کے لئے حجاز مقدس تشریف لے گئے ۔ انہیں اللہ کے فضل سے حرمین شریفین میں بہترین اساتذہ میسر آئے ان کے اساتذہ بھی ان سے بہت متاثر ہوئے ۔ یہاں تک کہ ایک استاد ' الشیخ ابو طاہر الکردی یہاں تک فرمایا کہ " ولی اللہ مجھ سے لفظوں کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے معنوں کی سند لیتا ہوں "

حجاز مقدس میں تقریباً" دو سال قیام سے انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بر عظیم ہند ہی رشد و ہدایت کے لئے بہترین میدان ہے ' چنانچہ انہوں نے واپس آکر اپنے فکر کی تدوین شروع کر دی اور حدیث ' اخلاقیات ' تاریخ اسلام اور انسانیت کے فکری ارتقاء کی تاریخ وغیرہ ' سیاسیات ' معاشیات مابعد الطبیعات (METAPHYSICS OR PSYCHOPHYSICS) معادیات (ESCHATOLOGY) وغیرہ سب پر لکھا ۔ انہوں نے قرآن حکیم کا ترجمہ سفر حجاز پہلے ہی شروع کر رکھا تھا ۔ واپس آکر اس کی بھی تکمیل کی۔

امام صاحب کا عہد

امام صاحب نے اپنے فکر کی تدوین اٹھارویں صدی عیسوی میں کی - یہ وہ صدی ہے جس میں مغربی اقوام کے اندر لادینی سیاست اور مادہ پرستانہ علوم کا ظہور ہوا - ان کے اثرات برعظیم ہند میں مغربی قوموں مثلاً" پرتگیزوں ' ولندیزوں ' فرانسیسیوں اور انگریزوں وغیرہ کے ذریعے پہنچنے لگے تھے - خود اس برعظیم میں مسلمانوں کی حکومت تقریباً" سات صدیوں کے غلبے کے بعد روبہ زوال ہو چکی تھی ' چنانچہ خود شاہ صاحب کی زندگی میں دس بادشاہ تخت دہلی پر بیٹھے - مسلمانوں کے سیاسی زوال سے ان کے اخلاق و عادات اور معاشی حالات پر جو اثر پڑتا تھا وہ شاہ صاحب نے بچشم خود دیکھا - نادر شاہ کی یلغار نے سلطنت مغلیہ کی جڑیں ہلا دیں اور برعظیم میں غیر مسلم طاقتیں ابھرنے لگیں ' جن میں سے مرہٹوں نے برعظیم کے بڑے حصے پر استیلا (غلبہ) حاصل کر لیا - اس آخرالذکر خطرے کو دور کرنے کے لئے امام صاحب نے سلطان احمد شاہ ابدالی (درانی) کو دعوت جہاد دی - چنانچہ وہ ۱۷۶۰ میں آیا اور اس نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو جنوری ۱۷۶۱ء میں ایسی شکست فاش دی کہ ان کا شہنشاہی ہند کا خواب ہمیشہ کے لئے پریشان ہو کر رہ گیا - اس کے بعد ۱۷۶۲ء میں امام صاحب کا وصال ہو گیا -

امتیازی خصوصیت

عالم اسلام میں بہت سے مشاہیر پیدا ہوئے ہیں - ان کے کارہائے جمیلہ کو نظر انداز کر دینا اپنے تاریخی ورثے اور ملی سرمائے سے انحراف کرنا ہے - امام ولی اللہ دہلوی کی عظمت اس میں پوشیدہ ہے کہ انہوں نے متقدمین کے افکار کی تحلیل کی ہے اور موقعہ بہ موقعہ موجودالوقت معاشرے کے حالات کے مطابق

بنانے کے لئے ان کی عمرانی توضیح کی ہے۔ اس عمل میں ان کی قرآن دانی کا پورا پورا پتہ چلتا ہے، چنانچہ اس نقطہ نظر سے قدیم افکار کا جائزہ لیتے ہوئے جو باتیں محک استقراء و تجزیہ (جستجو اور جانچ کے پیمانے) پر صحیح اتریں انہیں قبول کر لیا اور جو باتیں پوری نہ اتریں خواہ ارسطو کی بھی تھیں قبول نہ کیا۔ رد و قبول کے اس عمل سے شاہ صاحب کے منہاج تحقیق کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ماضی کی حقیقتوں کو آنکھیں میچ کر قبول نہیں کر لیتے بلکہ ان کی خوب جانچ پڑتال کرتے ہیں

امام صاحب کی جماعت

امام ولی اللہ دہلوی کے کام کو ان کے فرزندان جلیل شاہ عبدالعزیز شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالغنی نے اور ان کے بعد آخرالذکر کے فرزند جلیل مولانا محمد اسماعیل دہلوی اور شاہ عبدالعزیز کے مرید مولانا سید احمد بریلوی نے جاری رکھا یہاں تک کہ ۱۸۳۱ء میں سیدین شہیدین نے بالاکوٹ کے حادثے میں اپنے خون سے تحریک حزب ولی اللہ کی آبیاری کر کے اسے زندہ جاوید بنا دیا بالاکوٹ کے بعد سید صاحب کی تحریک کی ایک شاخ مغربی علاقوں میں (جو پاکستان میں شامل ہیں) اور دوسری شاخ مشرقی علاقوں میں (جو اب بنگلہ دیش میں شامل ہیں) کام کرتی رہی۔ ان دونوں قطبین کے بیچ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا حاجی امداد اللہ (شاگردان رشید و مریدان شاہ عبدالغنی و شاہ محمد اسحاق نواسہ شاہ عبدالعزیز دہلوی) نے دیوبند میں اس تحریک کا مرکز قائم کیا، جس نے ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں نمایاں حصہ لیا۔ اس تحریک کے ایک صاحب فکر مولانا عبیداللہ سندھی تھے جنہوں نے ۱۹۲۶ء میں استنبول سے تقسیم ہند (نیم وفاقی ہند) کا منشور شائع کیا۔

امام صاحب کی جامعیت

فکر انضام ... امام صاحب نے ، جیسے اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے بہت سے موضوعات پر لکھا ہے ان سب کے یکجا مطالعے سے ایک حقیقت سامنے آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ان تمام موضوعات کو معنوی حیثیت سے ملاتے ہیں ۔ ان کی سیاسیات کی بنیاد اسی حقیقت پر ہے جس پر ان کی اخلاقیات اور تاریخ مبنی ہے ۔ ان کی معاشیات کی وہی اساس ہے جو ان کی سیاسیات و اخلاقیات کی ہے ۔ ان کے افکار کا یہ انضامی پہلو ان کی ہر ایک تحریر سے نمایاں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہر موضوع تحریر کی ساخت (STRUCTURE) متن (TEXT) اور معنی (MEANING) میں ایک چیز جلوہ گر ہے اور وہ ہے ان کی عمرانیت (SOCIOLOGISM) اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک علم کا مقصد غائی یہ ہے کہ (بنیادی) معاشرے میں تہیج (IMPULSE) حرکت اور ترقی کے میلانات پیدا ہوں اور انہیں افراد ، معاشرے ، جماعات (ORGANIZATIONS) اور ادارات (INSTITUTIONS) کو بہتر بنانے کے لئے کام میں لایا جائے انہوں نے تمام علوم جن پر انہوں نے لکھا اسی ایک نقطہ نظر سے استعمال کیا ہے ۔ اور اسی پر انہوں نے بڑی وقت نظری اور بصیرت سے کام لیا ہے انہوں نے نہ صرف ماضی کے معاشرتی حالات کا مطالعہ کیا ہے بلکہ اپنے زمانے کے معاشرتی حالات کا گہرا جائزہ لے کر مستقبل کے لئے رہنمائی کی ہے چنانچہ وہ معاشرتی بگاڑ کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے رومی اور ایرانی شہنشاہی معاشرات کا مطالعہ پیش کرتے ہیں اور آخر میں کہتے ہیں کہ **وما تراہ من ملوک بلا دک یغنیک عن حکا یا تھم** (حجت اللہ البالغہ ج ۱ ص ۵۰)

(یعنی شہنشاہی دلی کے معاشرے کا مطالعہ کر لیا جائے تو رومی اور ایرانی معاشروں

کا حال خود بخود کھل جاتا ہے) ایک اور موقعے پر خرابی معاشرہ کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں **ولیتنبہ اھل الزمان بھذالنکتہ(حجت اللہ ج ا ص**) یعنی ہم نے شہری زندگی کی بربادی کے جو اسباب گنوائے ہیں ان کا مطالعہ کر کے ہمارے ہم عصر اہل فکر اس نقطہ پر غور کریں کہ بربادی کیوں ہوتی ہے)

ماضی و حال اس قسم کا تنقیدی مطالعہ وہی حکیم کر سکتا ہے جو نہ صرف معاشرے کے عیوب گنائے بلکہ ان کے اسباب و علل پر بھی نظر ڈالے۔ علت و معلول (CAUSE AND EFFECT) کا رشتہ جوڑ کر حقائق کی کنہ (ASPECT) معلوم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو جز کو کل سے ملا سکے اور کل کو جز پر حاوی کر سکے۔ امام ولی اللہ دہلوی نے معاشرے کے اجزا کو ایک اصول کلی کی نظر سے دیکھ کر ان اجزا پر تحلیلی نظر ڈالی ہے۔ ملاحظہ ہو تفہیمات الہیہ (جلد دوم) جہاں وہ معاشرے کے مختلف گروہوں سے خطاب کرتے ہیں اس قسم کا تحلیلی اور ترکیبی مطالعہ تاریخ اسلام میں صرف امام ولی اللہ دہلوی نے کیا ہے ' جس میں جامعیت کو بھی ملحوظ رکھا ہے اور انضامیت کو بھی۔

ثقافتی انضمام .... امام صاحب کے معاشرتی علوم کا ایک اور انضمامی پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ بقول (P.A.SOROKIN) نوع انسانی کی ثقافتی تحریک میں دو رائیں پائی جاتی رہی ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیا مایا ہے اس میں دل نہیں لگانا چاہئے۔ یہ عینی ثقافت (IDEATIONAL CULTURE) ہے ' دوسری یہ کہ جو کچھ ہے مادی دنیا ہی ہے اس دنیا سے ماورا کچھ نہیں ہے یہ حسی ثقافت (SENSACE CULTURE) ہے۔ امام صاحب قرآن حکیم کے تعلیم کے مطابق دونوں کو جمع کرتے ہیں ' لیکن یہ جامعیت انضمامی ثقافت کی رہنمائی

کرتی ہے ' جس کی ضرورت کی طرف فاضل مذکور (P.A.SOTOUKIN)
نے اپنے خطبہ پشاور (۱۹۶۳ء) میں توجہ ولائی ہے

مغربی فکر کا نقص ... علوم معاشرتی پر ہمارے علماء نے لکھا ہے اور حق یہ ہے کہ خوب لکھا ہے لیکن معاشرتی امراض (PATHOLOGIES SOCIAL) کے متعلق شاہ صاحب کو چھوڑ کر ان کے ہاں کچھ نہیں ملتا۔ اس تاریخی حقیقت کو نظرانداز کر کے علماء جدید نے یہ دعوی کیا ہے کہ علم امراض معاشرہ کی ابتدا یورپ نے کی ہے۔ بلا شبہ دور جدید میں ماہرین عمرانیات ' خصوصاً امریکی علما کی توجہ معاشرتی امراض کی طرف مبذول رہی ہے ' لیکن ان کے افکار اور طریقہ تحلیل میں جدل و تناقض (CONTRADICTION) پایا جاتا ہے۔ اصل میں علم امراض معاشرہ دو حصوں میں بٹ گیا ہے (۱) علم الامراض (۲) علم العلاج۔ ان دونوں شعبوں کے الگ الگ ماہرین ہیں جن کا ایک دوسرے کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے اس پر مستزاد یہ کہ معاشرتی امراض کی تشریح و توضیح میں ان کے ہاں شخصی اور نظری اختلافات پائے جاتے ہیں۔
مثلاً معاشرتی امراض کے متعلق اس وقت تین نظریئے بر سرپیکار ہیں

۱) ایک نظریئے کا تعلق " بد نظمی " (DISORGANIZATION) کے ساتھ ہے۔

۲) دوسرے کا تعلق نظریہ پس افتادگی (LAG-THEORY) کے ساتھ ہے۔

۳) تیسرے کا تعلق نظریہ فقدان اقدار (ANOMLE) کے ساتھ ہے۔

ان تینوں نظریوں کو فلسفیانہ دقت نظری سے نہ تو معاشرے کے امراض کا سمجھنا درکار ہے اور نہ اس سے سروکار کہ اگر معاشرہ فتور میں مبتلا ہو جائے تو اس سے کس طرح نجات پائی جائے۔

امام صاحب کا طریق فکر

جدل و پیکار(CONTRADICTION) اور تشتت افکار(IN MIND DISTRESSED) کی یہ کیفیت امام صاحب کے ہاں نہیں ہے وہ معاشرے کے امراض کا نہ صرف تجزیہ کرتے ہیں ' بلکہ ہر ایک جز کو کل سے ملا کر قدر معنویت (IMPLIED VALUE) متعین کرتے ہیں اور آخر میں فیصلہ صادر کرتے ہیں وہ دور جدید کے حکماء کی طرح مرض کو صرف مرض بنا کر اسے مزید اعصابیت (NERVOUSNESS) میں مبتلا نہیں کرتے ۔ بلکہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ اگر مرض پیدا ہو گیا ہے تو اصلاحی تدابیر اختیار کر کے مرض کا ازالہ بھی کیا جا سکتا ہے پھر وہ اس میں ظن و تخمین سے کام نہیں لیتے بلکہ حقائق نفس الامری (FACTSOF THE MATTER) اور تاریخی واقعات سے استدلال کرتے چلے جاتے ہیں ۔ امراض کی تشخیص میں ان کا اسلوب کار تقابلی(COMPARATIVE METHODOLOGY) ہے ' مثلاً" وہ اپنے زمانے کے معاشرتی امراض کا ذکر کرتے ہوئے ان کے نہ صرف اسباب و علل بیان کرتے ہیں ' بلکہ وہ یہ امر بھی پورے وثوق کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں کہ اس قسم کے فتور و امراض سابق معاشروں میں بھی پائے جاتے رہے ہیں لیکن وہ ان کے علاج پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہو گئے ۔

اس سلسلے میں ایک لطیف بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ طرح آج ہم یورپ اور امریکہ سے مرعوبیت میں مبتلا ہیں اسی طرح شاہ صاحب کے زمانے میں یونان اور ایران کے افکار کا غلبہ تھا ۔ یہ تجزیہ ایک خاص مرض کی نشاندہی کرتا ہے اور وہ ہے ذہنی یعنی مسلمان اپنی علمی عظمت کو ماننے اور منوانے کی بجائے یونان اور ایران کی عظمت علمی کو تسلیم کر چکے تھے ۔ امام صاحب کے نزدیک یہ بے بصری ہے (IMPRUDENCE) ان کے نزدیک

یونانی اور ایرانی تہذیبیں عظیم و بلند ہونے کے باوجود ' معنویت سے خالی تھیں اس خلا کو اسلامی تہذیب اور علوم کو پورا کیا' وہ چیز سے اسلامی تہذیب اور علوم میں قدر معنویت پیدا ہوئی ہے ' وہ توحید و رسالت کے اصول ہیں ان دونوں کے امتزاج کے ساتھ اسلامی علوم کا وجود سابقہ علوم کی تکمیل تھا۔ امام صاحب توحید کے قائل ہیں اس کا مظاہرہ ان کے فکر اور تحریر کے ہر بن مو (طریقے) سے ہوتا ہے اس لئے ان کے ہاں علم امراض معاشرہ اور علم علاج معاشرہ گویا توحید کی قدر معنویت کے باقی رکھنے کے مترادف ہے۔

موجودہ زمانے میں امام صاحب کے افکار کی اہمیت

امام صاحب نے حجت اللہ البالغہ میں تعمیر معاشرہ کے متعلق جو اصول اور قوانین بیان کئے ہیں وہ ہر دور کے معاشرے کے لئے زریں اصول ثابت ہوں گے۔ ان کے زمانے میں مغربی اقوام کی آمد سے جو حالات پیدا ہوئے اور جو حالات ان کی آمد کے داعی ہوئے' وہی حالات اب تک ہمارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے شاہ صاحب نے اپنے دور میں معاشرے کے جو امراض بیان کئے ہیں اور ان کے لئے جو علاج تجویز کئے ہیں وہ اب بھی پوری صحت کے ساتھ موجودہ معاشرے پر اطلاق پزیر ہو سکتے ہیں۔ مثلاً" شاہ صاحب نے اپنے زمانے کے حالات اور سابقہ اقوام کے حالات کا گہرا مطالعہ کر کے اپنے زمانے کے معاشرے کو قرآن کریم کی زبان میں متنبہ کیا ہے

(۱)واذا اردنا ان نهلك قريته امرنا مترفيها ففسقوافيها فحق عليهم القول فدمرناها تدميرا (۱۷:۱۶)

(یعنی جب ہم کسی سوسائٹی کو برباد کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اس کے کھاتے پیتے طبقے کو حکم دیتے ہیں' وہ اس حکم کی نافرمانی کرتے ہیں تو ان کی تباہی کا فیصلہ

صادر کر دیا جاتا ہے پھر وہ ایسی تباہی میں مبتلا ہوتے ہیں سے وہ بچ نہیں سکتے
(۲) ایسے ہی وہ معاشرے کی تباہی کا ایک سبب یہ بیان فرماتے ہیں کہ خزانے پر ان لوگوں کا بار پڑ جاتا ہے جو کوئی خدمت سرانجام نہیں دیتے اور حکومت سے مفت کے وظیفے پانے پر اصرار کرتے ہیں۔
(۳) ایک اور سبب ریاست کی بربادی کا یہ بیان فرماتے ہیں کہ نظم و نسق کرنے والا طبقہ (بیوروکریسی) تعداد میں حد سے زیادہ ہو جاتا ہے اور سرکاری ملازمتوں کی تعداد بلا ضرورت بڑھالی جاتی ہے
یہ نکات ظاہر کرتے ہیں کہ امام صاحب کے عمرانی افکار پر گہری نظر ڈالنے کی ضرورت ہے اور تبصرہ کی ضرورت یوں بھی ہے کہ وہ ایک جلیل القدر صاحب فکر ہونے کے باوجود ان کا کام گوشہ گمنامی میں پڑا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن علوم پر انہوں نے لکھا ہے ان کی ترقی کا دور اب آیا ہے اور اب اہل فکر ان کے افکار کی قدر کر سکتے ہیں۔ آج ہم اللہ کے فضل و کرم سے برسر خود آ گئے ہیں اس امر کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ہم اپنے ماضی کے ورثے کا جائزہ لیں اور اس میں مفید ترین اجزا کو اپنا کر آگے بڑھیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس عمل میں شاہ صاحب کے فکر کا مطالعہ دور حاضر میں بہت مفید ثابت ہو گا۔ ہم اس وقت موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں، یعنی "عمرانیات" اس موضوع پر امام صاحب منفرد صاحب فکر ہیں اس لئے ان کے فکر کا مطالعہ ناگزیر ہے اس غرض کے لئے ان کے افکار کا مقابلہ عمرانیات ہی میں نہیں دیگر علوم میں دور جدید کے افکار سے کرنا بے حد سودمند ثابت ہو گا اور اس سے ہمارے نوجوانوں کے سر فخر و مباہات (GLORY) سے بلند ہو جائیں گے

مغربی عمرانیات کی غلطیاں

ہم یہاں عمرانیات کے سلسلہ میں امام صاحب کے صرف ایک فکر کی ذرا سی

تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں ۔ دور حاضر کی عمرانیات میں دو قسم کی خرابیاں پائی جاتی ہیں ۔
(۱) ایک تو یہ عمرانیات جدیدہ دو متخاصم اور متخالف افکار پر چل رہی ہے ۔
(۲) دوسرے یہ اس کا فکری سرمایہ زیادہ تر قومی اور ملکی بنیاد پر مبنی ہے ۔

دو متخاصم عمرانی نظریات .... عمرانیات جدید کے ایک مذہب (SCHOOL OF THOUGHT) کا تعلق صرف حسیات (SENSATISM) اور جنسیات کے ساتھ ہے اور دوسرے مذہب کا تعلق صرف ماورائے مادیات کے ساتھ ہے ۔ پہلا مذہب دنیاوی لذات کو حقیقی تصور کرتا ہے اور حیات مابعد الممات وغیرہ کو تسلیم نہیں کرتا ۔ اس کے بر خلاف دوسرا مذہب اس امر پر مبنی ہے کہ دنیا مایا ہے اس سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے ... ترک دنیا ... موت کے بعد زندگی شروع ہوتی ہے وہی صحیح زندگی ہے ۔

ان دو متخاصم اور جدلی افکار (HOSTILED VIEWS) کے مقابل امام ولی اللہ نے عمرانیات کی بنیاد رکھی وہ انضمامی بھی ہے اور مربوط بھی ۔ اس میں توحید کا نظریہ شان معنویت پیدا کرتا ہے ۔ شاہ صاحب کے نزدیک دین بھی صحیح ہے اور دنیا بھی ۔ اس لحاظ سے ان کی عمرانیات کے دو حصے ہیں ۔ ارتفاقات معاشیہ اور ارتفاقات معاویہ (یا اقترابات)

وہ ان دونوں کو باہمی مربوط اور ایک دوسرے کا جز مانتے ہیں ۔ پروفیسر سٹارک (STARK) نے جو کتاب (OF SOCIOLOGY FUNDAMENTALS) کے نام سے شائع کی ہے ۔ اس میں انہوں نے اس بات کی توثیق کی ہے کہ دور جدید کے عمرانی نظریات میں یکسانیت اور ارتباط ہونے کی بجائے جدل و پیکار کی بھرمار ہے اس لئے اس کی بنا پر کسی نظام کی صورت گری (PAINTING) محالات (IMPOSSIBILITIES) سے ہے اس سے ظاہر ہے کہ ہمیں شاہ صاحب کے عمرانی نظریات کا غائر نظر سے

مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ نظریے ہمارے بیش قیمت تاریخی سرمائے اور معاشرتی احوال سے پیدا ہوئے ہیں اور ان میں ارتباط پایا جاتا ہے۔

عیسویت کا اثر ... یہاں اس طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ دور جدید کے عمرانی نظریات عیسوی معتقدات پر مبنی ہیں جو تاریخی اعتبار سے متروک ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ قرآنی اسلامی افکار نے لے لی ہے۔

قومیت کا غلبہ ... مغربی نظریات عمرانیات میں ایک اور خرابی یہ ہے کہ تمام مغربی قوموں نے اپنی اپنی الگ الگ عمرانیات قومی نقطہ نگاہ سے پیدا کی ہیں اس لئے ہر ایک کا رنگ جدا اور الگ الگ ہے صرف امام ولی اللہ دہلوی کی عمرانیات کی بنیاد انسانیت عامہ پر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآنی اصولِ حکمت کے تابع رہ کر کام کرتے ہیں۔ زندگی کے زاویہ نگاہ پر یورپ اور امریکہ کے معاشرے ڈھل رہے ہیں وہ ہمارے مقتضیات (NECESSITIES) کے حامل نہیں ہیں اور ہمارے مزاج اور نظام اخلاق کے منافی۔ پھر یہ عمل قابل غور ہے کہ امام ولی اللہ دہلوی اسی برعظیم کے سپوت وہ یہی پیدا ہوئے اور ان کے افکار یہی پروان چڑھے وہ تمام تاریخی معاشرتی احوال کے عالم اور اپنے زمانے کے بہترین طالب علم اس سلسلے میں جو دوسری اہم بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ امام صاحب قرن اول کی تاریخ کے ماہر وہ ایک بے نظیر محدث اور بالغ نظر ہونے کی وجہ سے اس تاریخی انقلابی معاشرے کی جزئیات کے عالم اور اپنی عمرانیات کی تمام جزئیات کو قرآن و سنت سے اخذ کرتے۔

امام صاحب کی پیش قیاسی

علم مسلمان کی میراث ہے بنا براں یہ تو غلط ہو گا کہ ہم یہ مشورہ دیں کہ جدید عمرانیات اور علوم عمرانی کا مطالعہ نہ کیا جائے۔ ہمارے نزدیک ان میں بعض

افکار ایسے ہیں کہ ان کی طرف التفات کرنا ضروری ہے یعنی ان علوم کی سائنٹیفک انداز میں چھان بین کی جائے اور اس چھان بین میں یہ امر ضرور ملحوظ خاطر رہے کہ ان علوم میں قدر معقولیت کیا ہے ان علوم میں سے جو حقائق اس کسوٹی پر صحیح اتریں اور جو ہمارے نظامہائے علوم و ثقافت کی قدر معقویت کے مخالف نہ ہوں وہ قبول کر لئے جائیں۔ تعجب کی بات ہے کہ خود امام صاحب بھی اس نظریے کے حامل ہیں یعنی وہ اسلامی اصولی تعلیمات کی معقویت پر زور دیتے ہیں اور انہیں ہی اسلامی ثقافت کی بنیاد قرار دیتے ہیں ۔ شاہ صاحب کی یہ پیش قیاسی (FORETHOUGHT) جس کا مظاہرہ انہوں نے دو صدیاں پہلے کیا نہایت حیرت افزا ہے خصوصاً" اس لئے کہ جو باتیں انہوں نے اپنے زمانے میں لکھیں ان کی طرف دو سو سال بعد جدید ماہرین عمرانیات کی توجہ مبذول ہو رہی ہے چنانچہ معاشرتی مزاج کی انفرادیت کو جزو زندگی قرار دیتے ہوئے (P.A.SOROKIN) نے اپنی معرکت الاراء کتاب (DYNAMICS SOCIAL AN. CULCURAL)میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے

عالم اسلام میں فطانت سے زیادہ ایک خاص نفسیاتی عامل کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور وہ ہے حس واقعات شاہ صاحب اس حس کے حامل تھے جس کی وجہ سے انہوں نے آنے والے حوادث و واقعات کو چشم وجدان (INTUITIVE EYE) سے دیکھا اور من و عن قلم بند کر دیا اسی وجدان نے انہیں اپنے زمانے کے حالات سے مستقبل میں نکلنے والے نتائج کی طرف رہنمائی کی یہی حس واقعات ہے جو امام صاحب کو تاویل الاحادیث ..... تاریخی واقعات کے معنی .... سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ اس میں جس واقعات کی بنا پر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ " ہمارے زمانے میں حق کو جانچنے کے تین معیار ہیں عقل ' نقل ' اور کشف (التفہیمات الہیہ) یہی چیز ہے جسے قرآن السمع (نقل)' البصر

(عقل) اور الفواد (کشف) کے ناموں سے بیان کرتا ہے ۔ بہ ظاہر یہ تین جداگانہ موثرات (عوامل) نظر آتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عقل و نقل کشف میں گم ہو جاتے ہیں اور کشف عقل و نقل کی معنویت میں ضم ہو جاتا ہے ۔ شاہ صاحب نے اپنے زمانے کے معاشرے کو نظر بصری سے دیکھا لیکن اس معاشرے کی تہ در تہ میں جو معاشرے کروٹیں لے رہے تھے انہیں چشم و جدان سے ملاحظہ فرمایا اور معاشرتی تبدیلیوں کے متعلق پیش قیاسیاں اور پیش بینیاں کیں جو آجکل بالکل صحیح نظر آ رہی ہیں ۔ مثلاً انہوں نے معاشرے کی خرابی کی وجہ سے تہاون اور عدوان (فکری شکست اور نظام ظلم) قرار دی ۔ کیا ہمارے معاشرے کی خرابی اولی یہی نہیں ہیں ؟ تہاون کی صورت یہ ہے کہ نظام معانی سے انحراف کر کے غلط طریقہ عمل کو برداشت کر لیا جائے اور پھر اسی کو صحیح سمجھ لیا جائے ۔ اس سے بدعات پیدا ہوتی ہیں ۔ آج ہم اپنے نظام معانی کو چھوڑ کر جس طرح مغربی طرز زندگی کو اختیار کرتے جا رہے ہیں یہی تہاون ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ ہم انہی مغربی ثقافتی پہلوؤں کو زیادہ چاہت کے ساتھ اختیار کر رہے ہیں جن کے متعلق خود مغرب کے اہل فکر بے زاری کا اظہار کرتے ہیں ۔
عدوان کا مطلب یہ ہے کہ قانون قدرت سے بغاوت کر کے نئی راہ نکالنے کی کوشش کرنا ۔ ان میں وہ احکام الہی بھی آ جاتے ہیں جن کی شکست و ریخت (توڑ پھوڑ) کر کے معاشرہ اپنے خیال میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے ۔ مثلاً معاشی معاملات میں اہل ثروت کا بخل سے کام لینے کو عقل عامہ اور حکم خداوندی دونوں مہلک قرار دیتے ہیں ۔ کیا ہم اس مرض میں مبتلا نہیں ہیں ؟

مغربی حکما کی درماندگی

دور جدید میں کامٹے (COMTE) سے لے کر آج تک عمرانی نظریات تغیر کی حالت میں ہیں کئی نظریات آئے اور چلے گئے ۔ ایک صدی کے نظریات دوسری

صدی میں ناقابل قبول قرار پائے اور دوسرے جلیل القدر علماء عمرانیات ان حقائق کو تسلیم کرتے ہیں امام صاحب کی حکمت کی روشنی میں ان افکار کا تنقیدی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تناقضات (CONTRADICTIONS) کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان میں عقل تو موجود ہے لیکن کشف اور نقل کا فقدان ہے ۔ نقل کا فقدان یوں کہ سابق پہلا کا کوئی نظریہ آگے چل کر درست نہیں رہتا اور نہ یورپ میں تعلیمات الہیہ کو غور و فکر کا مرکز بنایا گیا ہے باقی رہا کشف تو جو نظریں صرف حال ہی کو دیکھنے پر قادر ہوں اور جن کی وسعت نگاہ مادیات کے مشاہدات اور تجربات ہی تک محدود ہوں وہ غیر مرئیات (UNVISIBLE) کو نہیں دیکھ سکتی ہیں ۔ ان نقوش ناتمام کا نام دور جدید کا علوم ہے ۔ اہل مغرب ابھی تک اس قابل ہی نہیں ہوئے ہیں کہ وہ گروہی اور قومی مفادات سے اوپر اٹھ کر انسان کے نوعی تقاضوں کے مطابق سوچ سکیں " نوعی تقاضے " کی اصطلاح امام ولی اللہ کے ہاں نہایت اہمیت رکھتی ہے اور وہ اپنے عمرانی افکار کی بنیاد انہیں تقاضوں کو بناتے ہیں ۔ مغربی اہل فکر کو ابھی اس بلندی تک اٹھنے میں کافی دیر لگے گی ۔ جب ہم اس تنقید کی روشنی میں امام ولی اللہ کے عمرانی افکار کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس نتیجے تک پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی کہ ان کے نظریات بالکل صحیح ہیں ہمارے معماران قوم اور مفکرین کے پیش نظر یہ حقیقت رہنی چاہئے کہ قوم کی تعمیر کا مدعا اینٹ گارے سے ایک فلک بوس عمارت کھڑی نہیں کرنا ہے اصل تعمیر روح اور نفس کی تعمیر ہے ۔ امام صاحب کے افکار عمرانی کی بنیاد اسی اصول پر ہے اور اس کی تائید قرآن حکیم سے ہوتی ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ ...**ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیر و اما بانفسھم** (۱۱ ۔) جب تک کوئی معاشرہ اپنی نفس (معنوی) بنیادوں کو بدل نہیں لیتا ۔ اس وقت تک اس کی ظاہری صورت و حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

انسان اور معاشرتی زندگی

افسوس ہے کہ شاہ صاحب اب تک ہمارے اہل فکر کی بے فکری کا شکار رہے ' لیکن شکر کا مقام ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی نے ہمارے لئے ان کا انکشاف کیا اور انہوں نے ان کے فکر کی عظمت اور گہرائی کی طرف توجہ دلا کر ہمارے سوچنے والے طبقے کو امام صاحب کی طرف متوجہ کیا اور دکھایا کہ شاہ صاحب کی حدیث دانی ' فقہ ' تفسیر ' اصول تفسیر ' معقولات و کلام ' انسانیت و عمرانیات بلکہ طبیعات و مابعدالطبیعات سب کی بنیاد انسان کی معاشرتی زندگی پر ہے ۔ افسوس ہے اہل مغرب نے انسان کو " معاشرت پسند حیوان " (GREGARIOUS ANIMAL) قرار دے کر بہت بڑی ٹھوکر کھائی ہے جس سے ہمارے ملک کے اہل فکر بھی اس بلند اور حقیقی نظریئے تک نہ پہنچ سکے جہاں امام ولی اللہ دہلوی پہنچے ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی جزیرے میں ایک مرد اور ایک عورت اکٹھے ہو جائیں ' وہ رفتہ رفتہ معاشرہ پیدا کر لیں گے اور وہ معاشرہ ارتفاق اول ' ارتفاق دوم ' ارتفاق سوم ' ارتفاق چہارم کی تمام منازل خوبخود طے کرے گا ۔ (حجت اللہ البالغہ جلد اول) گویا امام صاحب کے نزدیک انسان کی معاشریت اس کی انسانیت کا جز ہے اور یہی انسانی معاشرتی زندگی کی قدر معنویت پیدا کرتی ہے۔

امامؒ صاحب کا نظریہ ارتفاقات

اوپر امام صاحب کی ایک اصطلاح ارتفاق کا ذکر آیا ہے ۔ یہ لفظ رفق سے مشتق ہے ۔ جہاں رفق کی خارجی سطح پر رفاقت باہمی سے معاشرتی ادارت (SOCIAL INSTITUTION) کی صورت گری ہوتی ہے ' وہاں اس کی تہ میں معنویت اور روحانیت کے عوامل بھی پوشیدہ ہیں اس لئے ارتفاق سے مراد

یہاں یہ ہے کہ انسان کو معاشی اور معاشرتی زندگی میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ' وہ ان کے حل تلاش کر لیتا ہے ۔ وہاں اس لفظ میں وہ روحانی رشتے بھی پوشیدہ ہیں جو دو نفوس کو ایک انسانی مقصد حاصل کرنے کے لئے متحدالخیال ' متحدالفکر اور متحدالعمل کر دیتے ہیں گویا شاہ صاحب کی یہ اصطلاح ...ارتفاق ...ظاہر اور باطن دونوں لحاظات سے معنی کی حامل ہے 'اور مغربی حکماء کی طرح سے وہ صرف معاشرے کی ظاہری معاشی اور جنسی صورت گری تک پہنچ کر رک نہیں جاتے بلکہ ارتفاقات کی تہ میں پہنچ کر ان کی داخلی معنویت کا بھی سراغ لگا لیتے ہیں ۔ یہ شاہ صاحب کا وہ انقلابی نظریہ ہے جو ان کی عمرانیات کو جدید عمرانیات سے امتیاز بخشتا ہے ۔

مسلمان اور امامت اقوام

شاہ ولی اللہ دہلوی کے متعلق مذکورہ بالا مختصر اشارات کے بعد اس امر کی چنداں ضرورت نہ تھی کہ ان کے منصب و مقام سے بحث کی جائے لیکن شاہ صاحب کی ذات کے متعلق تاریخ کے پس منظر میں کچھ عرض کرنا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ شاہ صاحب ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب یورپ میں ازمنہ وسطیٰ (MIDDLE AGES) کا خاتمہ ہوا تھا اور نئے دور کا آغاز ہو رہا تھا ۔ بد قسمتی سے نئے دور کا آغاز اہل علم اور عیسوی کلیسا کی باہمی آویزش کا رہین منت تھا ۔ اس لئے اس دور میں اہل علم نے کلیسا دشمنی کی وجہ سے علمی تحقیقات میں غلط روش اختیار کر کے انسانیت عامہ کو مادہ پرستی اور مذہب دشمنی کی راہ پر ڈال دیا ۔ برعظیم ہند میں بھی یہ دور نہایت اہم دور ہے ۔ اس دور میں مغلیہ حکومت کا خاتمہ ہوا تھا اور سمندر پار سے آنے والی قوم یہاں پاؤں جما رہی تھی ۔ امام صاحب کے لئے نہ تو ماضی کے سارے ورثے کو من و عن قبول کرنا ممکن تھا نہ اسے کلیتا" رد کرنا انسانی تقاضوں کے مطابق نظر آتا تھا ۔ اگر ماضی کے بغیر حال

ممکن نہیں ہے تو پھر حال کے بہتری کا مدار اس بات پر ہے کہ مستقبل کے بارے بھی سوچا جائے اور حتمی فیصلے کئے جائیں اس کے لئے زمانی اور مکانی علتوں سے اوپر اٹھ کر ماورائے مکانوں زمان پر بھی توجہ کرنا ضروری ہے۔ بنا براں امام صاحب کے افکار کی حیثیت تاریخ اسلام میں محض حال کی نشاۃ ثانیہ پیدا کرنے والے مفکر کی نہیں ہے بلکہ ان کی ذات گرامی میں انضمام (INTEGRATION) کا عنصر بہت شدت سے کار فرما نظر آتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ماضی و حال کے رشتے ایک قدر مشترک کے ذریعے سے اس طرح مربوط کر دیتے ہیں کہ غیر مرئی مستقبل مرئی بن کر نظر آنے لگتا ہے۔

شاہ صاحب کے فکر کی بلندی کا اندازہ اس امر سے لگایئے کہ ان کی عمرانیات کی بنیاد انسانیت عامہ پر ہے اور وہ مسلمانوں کو صحیح معنوں میں **اخرجت للناس** (تم لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو) کے منصب پر دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان حسی اور ماورائی دونوں قسم کی تہذیبوں کو جمع کر کے امت وسطی کا مقام حاصل کر سکیں جس کے لئے انہیں پیدا کیا گیا ہے ....

وکذلک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیدا (۱۴۳ - ۲) (اسی طرح تمہیں امت وسطی بنایا گیا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور خود رسول اللہ تم پر گواہ رہیں)

یہ امامت اقوام کا مقام طبعی طور پر مسلمانوں کے لئے وقف ہو چکا ہے اور امام ولی اللہ دہلوی اپنی حکمت اور فلسفے میں اسی مقام کی نشاندہی کرتے ہیں ۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعلمین (تمام اقوام کے لئے رحمت) اس لئے جو قوم اپنی عمرانیات میں عالمگیریت کے تصور کو قائم نہیں رکھتی وہ ان پر عمل میں ناکام رہے گی اس لئے ہمارا ملی اور

قومی فرض ہے کہ ہم ہر وقت نوع انسان کے عالمگیر معاشرے کی رہنمائی کے فرائض کی انجام دہی کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھیں۔

حرف آخر

یہ ہے حضرت امام ولی اللہ دہلوی رحمت اللہ علیہ کے افکار کا اجمالی خاکہ ان کی بنیاد قرن اول کے سیاسی ' معاشی ' معاشرتی اور روحانی عملیات (ACTIONS) پر ہے' جنہیں امام صاحب نے ہمارے دور کو متعین کرنے کے لئے کیا ہے اب ضرورت ہے کہ ایک مشترک پروگرام بنا کر متعدد ادارے امام صاحب کے افکار کی تحقیق کر کے انہیں عوام کے سامنے پیش کریں تاکہ وہ اپنے فیصلہ سے قرآن کی انقلابی تحریک کو قبول کریں اور اسے دنیا میں غالب کریں اور اس طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مقام محمود حاصل ہو جس کے لئے ہم ہر نماز کی اذان کے بعد دعا کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کے فلسفے کی بنیاد ' انضمامی فکر اور انسانیت عامہ پر ہے اس سے ان کی سیاسیات ' معاشیات ' طبیعات ما بعد الطبیعات ' تفسیر قرآن و تشریح حدیث 'اخلاقیات ' عمرانیات وغیرہ کے افکار پیدا ہوتے ہیں اور یہی ہمارے معاشرے کی جدید تعمیر کی بنیاد بننی چاہئے اس سے ہمار جمود ختم ہو کہ ...

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا